رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا کے لئے شاہد، مبشر اور نذیر تھے

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۸؍مئی ۱۹۷۳ء بمقام مسجد اقصیٰ ربوہ)

تشہّد وتعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے مندرجہ ذیل آیات تلاوت فرمائیں:-

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ۙ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ؕ وَ تُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا (الفتح: ۹، ۱۰)

اس کے بعد حضور انور نے فرمایا:-

یہ دو آیات جو اس وقت مَیں نے تلاوت کی ہیں۔ ان میں سے پہلی آیت میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تین صفات بیان ہوئی ہیں یا تین بنیادی کام جو آپ کے سپرد ہیں ان کا ذکر ہے جبکہ دوسری آیت میں تین بنیادی ذمہ داریوں کا ذکر ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تین صفات کے نتیجہ میں امت مسلمہ پر عائد ہوتی ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے رسول! ہم نے تجھے **شاھد** بنا کر مبعوث کیا ہے **شاھد** کے معنے صفات باری پر گواہ کے ہیں اور یہ گواہی حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دو طور پر دی گئی ہے ایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے لحاظ سے اور دوسری آپ کے اسوۂ حسنہ کے لحاظ سے۔ صفات باری کے تعلق میں تاریخ نے پہلے انبیاء کی جو تعلیمات محفوظ کی ہیں اگر ان کا قرآن عظیم سے موازنہ کیا جائے تو ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ جس قدر وضاحت

کے ساتھ جس قدر وسعت کے ساتھ جس قدر حسن کے ساتھ اور جس قدر دل موہ لینے والے انداز میں قرآن کریم نے صفاتِ باری کو بیان کیا ہے، اس قدر اور اس قسم کا بیان پہلی کتب میں نہیں پایا جاتا تھا اس لئے کہ ابھی نوع انسانی انفرادی اور اجتماعی ہر دو اعتبار سے ارتقائی مدارج کو طے کر کے اس انتہائی رفعت تک نہیں پہنچی تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ساتھ امت مسلمہ کے لئے مقدر تھی کیونکہ نوع انسان انتہائی رفعت کی تدریجی طور پر ترقی کر رہی تھی حضرت آدم علیہ السلام کے ذریعہ انسان نے خدا کی صفات کے اپنے حالات اور استعداد کے مطابق کچھ جلوے دیکھے اور اس نور سے خود کو منور کیا۔ پھر دیگر انبیاء علیہم السلام (شرعی بھی اور غیر شرعی بھی) مبعوث ہوتے رہے اور وہ نوع انسان کو روحانی لحاظ سے ترقی پر ترقی دے کر ارتقاء کے مختلف مدراج میں سے گزارتے ہوئے اس درجہ تک لے آئے جس میں نوع انسانی نے (جس کی امت مسلمہ نمائندہ ہے) حضرت نبی اکرم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ داخل ہونا تھا۔

پس قرآن کریم میں جس رنگ میں صفات باری کا ذکر ہے اس رنگ میں پہلی امتوں کے سامنے ذکر نہیں کیا جا سکتا تھا کیونکہ وہ اس کی حامل نہیں بن سکتی تھیں ان کے اندر اس کی استعداد اور طاقت نہیں پائی جاتی تھی۔ غرض تعلیمی لحاظ سے قرآن کریم نے خدا تعالیٰ کی صفات پر گواہی دی۔ قرآن کریم نے ہر صفت کو لیا اور پھر آگے اس کی تفصیلات کو بڑی وضاحت سے بیان کیا اس کے لئے شواہد پیش کئے۔

خدا تعالیٰ کی بعض ایسی بنیادی صفات ہیں (اشارہ ہی کر سکوں گا کیونکہ نفس مضمون کے ساتھ اس کا تعلق نہیں) جن کا تعلق سب صفات باری سے ہے مثلاً اللہ تعالیٰ نے سورۃ ملک میں بیان فرمایا ہے کہ تمام صفات باری کی بنیادی صفت یہ ہے کہ ان کے جلووں میں انسان کو کبھی تضاد نظر نہیں آئے گا چنانچہ صفات باری کے جو مختلف جلوے نوع انسانی پر نازل ہوتے ہیں ان پر اجتماعی نظر ڈالی جائے تو واقعی ان کے اندر کوئی تضاد نظر نہیں آتا اس لئے کہ تضاد کا نہ ہونا صفات باری کی ایک بنیادی صفت ہے میرے خیال میں (جس رنگ میں قرآن کریم نے ان کو پیش کیا ہے اس رنگ میں) پہلی شرائع میں اس قسم کی بنیادی صفات کا ذکر بھی کوئی نہیں ہوگا

کیونکہ پہلے انسان کی روحانی حس اور روحانی شعور اس قابل نہیں تھا کہ ان باریکیوں کو سمجھ سکے۔

غرض ایک تو تعلیم کے لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صفات باری کے **شاھد** یا گواہ کے طور پر ہیں اور دوسرے آپ گواہ ہیں اپنے عمل کے لحاظ سے، اپنے نمونہ کے لحاظ سے کیونکہ صفاتِ باری کا بیان نوع انسانی کے لئے محض ایک فلسفیانہ مضمون کے طور پر نہیں ہے بلکہ اس بیان میں انسان کی زندگی کو ایک خاص رنگ میں بدل کر رکھ دینا مقصود تھا اس پر انسان کو عمل کرنا تھا اور وہ یہی بنیادی تعلیم تھی جس کی جھلک انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ نازل ہوتی رہی اور جو کامل طور پر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ نازل ہوئی۔ انسان کو اس کا مظہر بننا ہے یہی انسانی زندگی کا مقصد ہے۔ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بنی نوع انسان کو تعلیم دینے کا مقصد یہ ہے کہ وہ صفات باری کا مظہر بننے کی کوشش کریں۔

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صفات باری کے شاہد ہیں اس معنی میں بھی کہ آپ نے کامل اور اتم طور پر اپنے وجود کو صفات باری کا مظہر بنا کر دنیا کو دکھا دیا گویا آپ کا وجود صفات باری کا مظہر اتم ہونے کی وجہ سے اس حقیقت کا گواہ ہے کہ صفات باری انسان پر جلوہ گر ہوتی ہیں خدا تعالیٰ نے فرمایا تھا۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴿۵۷﴾ (الذاریات: ۵۷)

چنانچہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود میں نوع انسانی نے عبد کامل کا ایک نہایت ہی حسین نمونہ دیکھا۔ کوئی دوسرا انسان نہ تو ایسا حسین نمونہ پیش کر سکتا تھا اور نہ ہی اس رفعت اور عظمت کو پا سکتا تھا۔

غرض جہاں تک صفات باری کا تعلق تھا اسے قرآن کریم میں بیان کر دیا۔ جہاں تک صفات باری کے بیان کی غرض کا تعلق تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عملی نمونہ سے اور صفات باری کا مظہر اتم بن کر دنیا کو دکھا دیا۔ گویا ہر دو اعتبار سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صفات باری کے شاہد ہیں۔

پھر اسی آیہ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ آپ **مبشر** ہیں آپ دنیا کو بشارتیں دینے والے ہیں پھر آپ کی تیسری صفت یہ

بیان فرمائی کہ آپ نذیر ہیں۔ آپ دنیا کو ڈرانے والے، انتباہ کرنے والے اور بدیوں اور بداعمالیوں سے روکنے والے ہیں جو باتیں اللہ تعالیٰ کے غضب کا مورد بنا دیتی ہیں ان کو بتا کر دنیا کو ان سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرنے والے ہیں۔

غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تین بنیادی صفات ہیں جو اس آیہ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہیں اس کے مقابل امت مسلمہ پر (چونکہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے نتیجہ میں نوع انسانی کی بہترین نمائندہ ہے اس لئے اس پر) تین ذمہ داریاں ڈالی گئی ہیں چونکہ آپ شاہد ہیں اس لئے فرمایا تمہاری ذمہ داری یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات پر ایمان لاؤ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لاؤ۔ اس بات پر یقین رکھو کہ آپ کے اسوۂ حسنہ پر چلنا نوع انسانی کے لئے ضروری ہے گویا آپ کی شاہد کی صفت کے مقابلہ پر عقلاً بھی اور شرعاً بھی انسان پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی جملہ صفات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لائے اور آپ کے اسوۂ حسنہ پر چل کر سعادت دارین پائے۔

پھر چونکہ آپ مبشر ہیں اس لحاظ سے انسان پر جو ذمہ داری ڈالی گئی ہے وہ ان الفاظ میں مضمر ہے۔ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ (الفتح: ۱۰) فرمایا آپ کی تعظیم کو دیکھ کر، آپ کی عظمت کا اقرار کرتے ہوئے آپ کے مشن کی کامیابی کے لئے کام کرو اسلام کی مدد کرو اور اس کی نصرت کرو آپ کی عظمت کا اقرار محض زبان سے نہیں کرنا بلکہ ساتھ عمل بھی کرنا ہے گویا اس میں ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ تم اپنے قول اور عمل سے اس عظیم شریعت کی مدد کرو گے تو خدا کے پیار کو پا لو گے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم خالی ایمان لے آؤ گے بلکہ فرمایا ہے کہ مُبَشِّرًا کی حیثیت سے آپ کے ذریعہ دنیا کو جو بشارتیں دی گئی ہیں ان پر بھی یقین رکھو گے اور خلوص نیت کے ساتھ اپنے قول اور فعل کو آپ کے اسوۂ حسنہ کے مطابق بنا لو گے تو وہ بشارتیں تمہیں مل جائیں گی جو انسانیت کے محسنِ اعظم حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دنیا کو دی گئی ہیں۔

آپ کی تیسری صفت نذیر بیان ہوئی تھی اس کے مقابلہ میں انسان پر جو ذمہ داری ڈالی

گئی ہے وہ وَ تُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا (الفتح:۱۰) کے الفاظ میں بیان ہوئی ہے۔ تسبیح کے دو معنے ہیں ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ کو ہر قسم کی کمزوری اور نقص سے منزہ سمجھنا گویا اس بات کا اقرار کرنا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر عیب اور کمزوری سے پاک ہے دوسرے معنے امام راغبؒ نے مفردات میں یہ بیان کئے ہیں اَلْمَرُّ السَّرِيْعُ فِي عِبَادَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى ...... عَامًّا فِي الْعِبَادَاتِ قَوْلًا كَانَ اَوْ فِعْلًا اَوْ نِيَّةً ،، یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں سرعت پیدا کرنا گویا تسبیح کا لفظ قولی وفعلی اور نیت کی عبادات کے لئے عام طور پر استعمال ہوتا ہے اور ان عبادات میں سرعت پیدا کرنا تسبیح ہے۔

غرض نذیر کے مقابلہ میں وَ تُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا (الفتح:۱۰) میں بتایا کہ چونکہ بعض قسم کے افعال کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کا غضب بھڑکتا ہے اس لئے تمہاری یہ ذمہ داری ہے کہ جب انذار کے حالات پیدا ہوں، لوگوں کو بداعمالیوں سے ڈرایا جائے تو یہ امر تمہارے لئے نیکیوں کے بجالانے میں سرعت اور تیزی پیدا کردے۔

پس یہ تین ذمہ داریاں ہیں جنہیں میں نے مختصراً اور کچھ تھوڑے سے موازنہ کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ شاھد کی صفت کے مقابلہ میں ایمان باللّٰہ وایمان برسول کہا گیا ہے اور جیسا کہ میں نے بتایا ہے تعلیمی لحاظ سے صفات باری کا جو بیان قرآن عظیم میں ہے وہ انسان کی تاریخ میں ہمیں کہیں اور نظر نہیں آتا۔ اس لحاظ سے ہماری یہ ذمہ داری ہے کہ ہم معرفت صفات وشؤنِ باری کے لئے قرآن کریم پر غور کریں اور صفات باری کی حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کریں کیونکہ صفات باری کو نہ سمجھنے کے نتیجے میں بداعمالیاں سرزد ہوتی ہیں جو توحید سے دور لے جانے والی اور شرک کے قریب کرنے والی ہیں۔ گویا پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ قرآن کریم نے جس رنگ میں صفات باری کو بیان کیا ہے اس رنگ میں ان کا عرفان حاصل کرنا چاہیئے۔ چنانچہ آج مہدی معہود علیہ السلام کی طرف منسوب ہونے والوں کو یہ کہا جا سکتا ہے کہ صفات باری کا جس رنگ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی کتب میں اور اپنی تحریروں اور تقریروں میں بیان فرمایا ہے اور جو تفسیر قرآن عظیم ہے ان صفات کے بیان کو پڑھنا اور ان کو سمجھنا اور ان کو یاد رکھنا ہمارا فرض ہے گویا ہمیں عرفان صفات باری حاصل ہونا چاہیئے۔

غرض آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ شاہد ہیں۔ صفات باری کے گواہ ہیں اور ان کی صفات کی حقیقت کو اپنے عمل سے ثابت کرنے والے ہیں اس لئے اس جہت سے آپ کی متابعت میں ہماری پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی صفات کو سمجھنے والے اور ان پر غور کرنے والے ہوں۔ ہمیں صفات باری کی اس حد تک معرفت حاصل ہو جائے کہ وہ ہماری زندگی کی روح رواں بن جائیں۔ وہ ہماری زندگی کے ہر شعبہ پر محیط ہو جائیں۔

اسی طرح آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شاہد ہونا ہم احمدیوں پر یہ ذمہ داری بھی ڈالتا ہے (یوں تو سب نوع انسانی پر ڈالتا ہے لیکن اس وقت پہلے مخاطب آپ ہیں اس واسطے میں کہوں گا کہ احمدیوں پر یہ ذمہ داری ڈالتا ہے) جیسا کہ میں نے ابھی بتایا ہے شاہد کی صفت میں علمی لحاظ سے صفات باری اور توحید باری کو بیان کرنے والا جو حصہ ہے وہ محض ایک فلسفیانہ بیان نہیں بلکہ وہ ہماری زندگیوں پر اثر انداز ہونے والا بیان ہے۔ اس کی غرض یہ ہے کہ ہم صفات باری کے مظہر بنیں تو گویا شاہد کی صفت کے مقابلہ میں جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وجود پر صفات باری کا جو رنگ چڑھایا تھا ہم بھی اپنے پر وہی رنگ چڑھانے کی کوشش کریں۔ تاہم (یہ تو صحیح ہے کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں بن سکتے لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ہم آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر بن سکتے ہیں) آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شبیہ اور آپ کا ظل بن جائیں۔ ایک اچھا فوٹو گرافر اچھی تصویر کھینچتا ہے لیکن ایک عام فوٹو گرافر بالخصوص دیہات میں رہنے والا تو بڑی بھدّی سی دھندلی سی تصویر کھینچتا ہے لیکن تصویر ہوتی تو اسی شخص کی ہے جس کی تصویر کھینچی گئی ہے۔ گویا ایک اچھا کیمرہ زیادہ عمدہ اور روشن عکس لے لے گا لیکن ایک خراب اور سستا کیمرہ دھندلا سا عکس لے گا اسی طرح ایک شخص جو پوری توجہ اور محنت اور اخلاص سے سعی اور کوشش کرنے والا ہے اور اس کی استعداد بھی زیادہ ہے وہ زیادہ نورانی عکس لے لے گا لیکن ایک کمزور ایمان شخص جو عملاً سست ہے وہ بھی عکس تو لے گا مگر وہ کمزور قسم کا ہوگا۔ تاہم عکس تو وہی ہوگا، تصویر تو آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہوگی ایک روشن ہوگی دوسری دھندلی ہوگی۔ اگر ہم صحیح معنی میں احمدی ہیں تو ہم پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ہم صفات باری کی معرفت حاصل

کریں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کو لائحہ عمل بنائیں۔

میں اس حصہ کو پھر دوہرا دیتا ہوں کہ **شاھد** کی صفت کے مقابلہ میں ہماری ذمہ داری کے دو پہلو ہیں۔ان ہر دو پہلوؤں کے لحاظ سے ایک احمدی کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ صفات باری کی معرفت حاصل کرے۔ صفات باری کا علم حاصل کرے۔ ان کو پڑھے، ان کی حقیقت کو پہچاننے کے لئے ان پر غور کرے اور دیکھے کہ صفات باری کی کس قدر حسین تفاسیر بیان کی گئی ہیں۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مضمون پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

دوسرے ہم پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صفات باری کا رنگ اپنے وجود پر چڑھایا تھا۔جس طرح آپ صفاتِ باری کے مظہر اتم بنے تھے کیونکہ آپ کی استعداد اتم تھی اور قوت ایسی تھی کہ جس کے مقابلہ میں کوئی انسانی قوت پیش نہیں کی جا سکتی لیکن اخلاص کے ساتھ قربانیاں دے کر اور مجاہدہ کر کے اللہ تعالیٰ سے ایک نہ ٹوٹنے والا رشتہ محبت قائم کر کے اور اللہ تعالیٰ کے عشق اور پیار میں فنا ہو کر آپ نے اپنے اوپر جو رنگ چڑھایا تھا اسی طرح ہمیں بھی اپنی قوت اور استعداد کے مطابق انتہائی زور لگا کر وہی رنگ اپنے پر چڑھانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری صفت تھی **مبشر** ہونے کی۔اس صفت کے مقابلہ میں **تُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ** کی رو سے تعزیر اور توقیر کی ذمہ داری عائد کی گئی ہے **المنجد** میں **عَزَّرَ** کے معنے ہیں **اَلنُّصْرَةُ مَعَ التَّعْظِيْمِ** یعنی کسی ہستی کی عظمت کے احساس کے ساتھ اس کی اعانت اور مدد کرنا **تُعَزِّرُوْهُ** میں ضمیر کا مرجع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات ہے لیکن چونکہ آپ کی ذات کو تو کسی انسان کی عزت وتکریم کی ضرورت نہیں کیونکہ پہلے انبیاء کی زبان سے بھی اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے بھی یہ کہلوایا گیا ہے کہ مَیں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا تو پھر اس کے معنی یہ ہوں گے کہ احکام الٰہی کے اجراء میں اپنے فعل اور نمونہ سے مدد کرو۔گویا اس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا جو مقصد ہے اس کو کامیاب کرنے کے لئے عمل اور نمونہ کے ساتھ کوشش کرنا۔اسی طرح توقیر کے معنے **عظّم** اور **بجّل** (**المنجد**: زیر لفظ **بَجَلَ**) کے کئے گئے ہیں۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ قول وفعل اور نمونہ

سے اس عظیم شریعت کی مدد کرو گے تو بشارتوں کو پالو گے اور خدا کے پیار کو حاصل کر لو گے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو اس قدر بشارتیں دی ہیں کہ پہلے انبیاء نے اس کا سواں بلکہ ہزارواں حصہ بھی بشارتیں نہیں دیں لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ بشارتیں تمہیں اس طرح نہیں ملیں گی جس طرح ایک آم کے درخت کے مالک کو ٹپکے کا آم پکنے کے بعد خود گر کر مل جاتا ہے اور اسے حاصل کرنے کے لئے کوئی کوشش نہیں کرنی پڑتی بلکہ تمہیں اس کے لئے اسی طرح قربانیاں دینی پڑیں گی جس طرح حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کے مقصد کے حصول کے لئے بے شمار قربانیاں دی اور اس راہ میں قسما قسم کے دکھ اور تکلیفیں اٹھائی تھیں۔ آپ کے صحابہؓ نے بھی آپ سے عشق و وفا کا اعلیٰ و عمدہ نمونہ دکھایا اور خدا کی راہ میں بڑی قربانیاں دیں۔ چنانچہ صحابہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی بلند مقام کی وجہ سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کہا گیا تھا۔

صحابہ سے ملا جب مجھ کو پایا (درثمین صفحہ ۵۶)

آپ نے حقیقتاً صحابہ کا درجہ پایا ہے یا نہیں اصل سوال یہی ہے کیونکہ جس شخص نے دیکھا اور بیعت کی مگر کلی طور پر پایا نہیں اس کو وہ ثواب نہیں مل سکتا جو بیعت کرنے کے بعد قربانیاں دینے والے کو ملتا ہے۔

غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی بعثت کے مقصد کو پورا کرنے کے لئے بے شمار اور بے مثال قربانیاں دینی پڑیں یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا قربانیاں دینا آپ کی فطرت ثانیہ بن گئی تھی۔ احادیث میں آتا ہے کہ جنگوں میں سب سے زیادہ خطرناک جگہ وہ سمجھی جاتی تھی جو آپ کے قرب میں ہوتی تھی کیونکہ آپ کا وجود دشمن کا اصل نشانہ تھا چنانچہ صحابہ میں سے جو سب سے زیادہ دلیر تھے وہ آپ کے قریب رہنے کی کوشش کرتے تھے۔ ان کے اس جذبہ سے پتہ لگتا تھا کہ وہ کتنے دلیر ہیں۔ صحابہ اتنے دلیر تھے تو ہمارے آقا و مولا سیدنا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کتنے دلیر ہوں گے اس کا تو کوئی اندازہ ہی نہیں کر سکتا۔ ایک دفعہ رات کو خوف پیدا ہوا۔ لوگ ابھی تیاریاں کر رہے تھے یہ دیکھنے کے لئے کہ یہ خوف کیوں اور کس وجہ سے پیدا ہوا ہے؟ اسی اثناء میں لوگوں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر سے تشریف لا رہے

ہیں۔ صحابہؓ کے عرض کرنے پر آپ نے فرمایا۔ کوئی بات نہیں۔ میں نے پتہ لے لیا ہے۔ تیاری کر کے مقابلہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جاؤ گھروں میں آرام کرو۔ اب دیکھو! آپ نے خطرے کی صورت میں اپنے کسی ساتھی کو بتایا نہیں نہ ساتھ لیا ہے بلکہ یکا وتنہا حالات کا پتہ لینے کے لئے نکل کھڑے ہوئے حالانکہ آپ کے صحابہؓ میں سے ہر ایک آپ کے لئے اپنا خون بہانے کے لئے تیار رہتا اور اس پر فخر کرتا تھا۔

غرض خدا کی راہ میں قربانیاں دینے اور خدا کے لئے محبت اور خلوص کا اظہار کرنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بے مثل اور منفرد تھے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے عرش پر اپنی دائیں طرف بٹھا لیا۔ یہ مقام تو بہت بلند ہے۔ یہ مقام تو عرش رب کریم ہے اس مقام تک تو میں اور آپ نہیں پہنچ سکتے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت محمدیہ سے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ امت کا ہر شخص اپنی قوت اور استعداد اور مخلصانہ کوششوں کے نتیجہ میں مقام عرش ربّ کریم سے ورے ورے ساتویں آسمان تک پہنچ سکتا ہے۔ یہ گویا ایک بہت بڑی بشارت تھی جو امتِ مسلمہ کو دی گئی ہے (جس کے دروازے بعض لوگ اپنی جہالت کی وجہ سے اپنے اوپر بند کر لیتے ہیں حالانکہ) یہ ایک بہت بڑی بشارت ہے جو کھلے الفاظ میں امت مسلمہ کو دی گئی ہے لیکن آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ حقیقی معنوں میں مسلمان ہونے کے لئے محض بیعت کر لینا یا زبان سے اقرار کر لینا کافی ہوگا۔ بلکہ آپ نے یہ فرمایا کہ خدا تعالیٰ کے قرب کو پانے کے لئے جس رنگ میں اور جس طور پر میں نے قربانیاں پیش کرنے کا نمونہ قائم کیا ہے اسی رنگ میں تمہیں بھی قربانیاں دینی پڑیں گی۔ تب تم اللہ تعالیٰ کے پیار کو اپنی قوت اور استعداد کے مطابق حاصل کر سکو گے ورنہ نہیں۔

تیسری بات جو پہلی آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت کے طور پر بیان ہوئی ہے وہ آپ کا نذیر ہونا ہے۔ آپ کی صفت کے مقابلہ میں امت مسلمہ پر صبح وشام تسبیح کرنے کی ذمہ داری ڈالی گئی ہے۔ تسبیح کے معنے ایک تو تنزیہ وتمجید کے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کو ہر قسم کے نقص، عیب اور کمزوری سے پاک سمجھنا اس کے دوسرے معنے جیسا کہ میں نے پہلے بھی بتایا ہے مفردات امام راغبؒ کی رو سے

اَلْمَرُّ السَّرِيْعُ فِيْ عِبَادَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَ جُعِلَ ذَالِكَ فِي فِعْلِ الْخَيْرِ

گویا عبادت اللہ کی طرف تیزی سے دوڑ کر اور سرعت کے ساتھ جانا اور خیر اور نیکی بجا لانا تسبیح کے معنوں میں شامل ہے نذیر کی صفت میں ڈرانے کا ذکر ہے یعنی بعض ایسے لوگوں کا ذکر ہے جو اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے یا اقوال شنیعہ کے نتیجہ میں یا منافقانہ اور کافرانہ نیتوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے غضب کا مورد بن جاتے ہیں ان کو تنبیہہ کی گئی ہے کہ اپنی حرکتوں سے باز آجاؤ ورنہ جب تم پر خدا کا غضب بھڑکتا ہے تو وہ ایسا سخت ہوتا ہے کہ انسان ایک لحظہ کے لئے بھی اسے برداشت نہیں کرسکتا۔ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس معنی میں نذیر ہیں کہ آپ خدا کا غضب بھڑکنے سے پہلے لوگوں کو تنبیہہ کرتے ہیں۔ ان کو ہوشیار کرتے ہیں پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری بنیادی صفت نذیر ہے۔اس صفت کے مقابل میں مسلمانوں پر تسبیح کرنے کی ذمہ داری ڈالی گئی ہے۔ ان سے کہا گیا کہ وہ لوگ جو خدا سے دور جا پڑے ہیں اور اپنی اس دوری پر تسلی یافتہ ہیں۔ ان کو جب ڈرایا جائے اور تنبیہہ کی جائے تو اس وقت تمہارا فرض یہ ہے کہ تم عبادات بجا لانے اور نیکی کے کام کرنے میں پہلے سے بھی زیادہ سرعت کے ساتھ لگ جاؤ۔ اس لئے کہ جس وقت انذار ہوتا ہے یعنی کچھ لوگ بدیوں کی طرف جھکنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی تنبیہہ کے مورد ٹھہرتے ہیں قولاً یا فعلاً۔ اس وقت خدا کے مومن بندہ کے دل میں شیطان یہ وسوسہ بھی پیدا کرسکتا ہے کہ تُو بہت کچھ ہے دیکھ! دوسروں پر خدا نے اپنا قہر نازل کیا مگر تجھ پر نازل نہیں کیا چنانچہ اس قسم کے شیطانی وسوسہ کے نتیجہ میں یہ خطرہ ہوتا ہے کہ وہ جو خدا کا نیک بندہ تھا اگر اسے ٹھوکر لگے تو بلعم باعور بن جاتا ہے۔ ایسی صورت میں خدا تعالیٰ کی محبت اور پیار اس کی نفرت اور غضب سے بدل جاتی ہے۔ اس لئے ایسے حالات میں ساتھ ہی مومن کو بھی انذار کردیا اور ہوشیار کردیا کہ ایسے وقت میں تمہارے اندر کوئی فخر پیدا نہ ہو بلکہ تمہارے اندر پہلے سے بھی زیادہ عاجزی اور انکسار پیدا ہو۔ تم اس جذبہ کو بیدار رکھنے کے لئے کثرت سے تسبیح کرو۔ خدا تعالیٰ کو پاک ومطہر قرار دو اور اس حقیقت کو جان لو اور اسے ہر وقت پیش نظر رکھو کہ حقیقی پاکیزگی صرف خدا کو حاصل ہے۔ خدا کے علاوہ اس کی مخلوق میں سے یا انسانوں میں سے صرف وہی پاک ہے جسے خدا پاک کرتا ہے اور جس کی پاکیزگی کا اور جس کے تزکیہ کا اور جس کی تطہیر کا خود خدا اعلان فرماتا ہے انسان اپنے زور بازو سے، اپنے

نفس کی طاقتوں کے بل بوتے پر پاکیزگی حاصل نہیں کرسکتا۔

غرض خدا تعالیٰ سے دور ہو جانے والوں پر جب خدا کا غضب بھڑکے یا ان کو تنبیہ کی جائے تو دیکھنا تمہارے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور قرب کا جو مقام ہے کہیں شیطان کے ہاتھوں اسے چھینے جانے کا آغاز نہ ہو جائے ایسے موقع پر تمہیں فوراً خدا تعالیٰ کی تسبیح میں لگ جانا چاہیئے۔ تمہیں خدا تعالیٰ کی تسبیح کی ڈھال کے پیچھے اپنے نفسوں کی حفاظت کرنی چاہیئے۔

انذار کے موقع پر تسبیح کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ جو لوگ خدا تعالیٰ سے دور ہیں اور اس کے قرب اور پیار سے محروم ہیں ان کی بداعمالیوں میں سے کچھ اعمال خدا تعالیٰ کے مقربین کو دکھ پہنچانے والے ہوتے ہیں۔ اس واسطے خدا تعالیٰ انہیں (دشمنان اسلام کو) انذار کرتا ہے کہ ایسے کاموں سے باز آ جاؤ ورنہ قہری گرفت میں آ جاؤ گے گویا شیطان کا پہلا وار انسان کی روح پر ہے اور دوسرا وار خدا کے بندوں سے نفرت اور دشمنی کو ہوا دینا ہے یعنی جو لوگ خدا تعالیٰ سے دور ہیں۔ وہ اس کے پیاروں سے پیار نہیں کرتے بلکہ ان سے نفرت سے کام لیتے ہیں۔ وہ انہیں تنگ کرتے اور ہلاک کرنے کے منصوبے بناتے ہیں چنانچہ ایسے ہی موقعوں پر اللہ تعالیٰ ان سے مثلاً یہ کہتا ہے اِنِّیْ مُهِیْنٌ مَّنْ اَرَادَ اِهَانَتَکَ (تذکرہ ایڈیشن چہارم صفحہ ۲۷)

لیکن ہمیں یہ فرمایا کہ تم یہ نہ سمجھنے لگ جانا کہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نذیر ہیں اور اپنے سے پیار کرنے والوں سے دشمنی رکھنے والوں کو تنبیہ کرتے ہیں اس لئے ہم نے کچھ نہیں کرنا کیونکہ ہم پر وار نہیں ہوسکتا۔ نہیں! تم پر دشمن کا بھی اور شیطان کا بھی دوہرا وار ہوسکتا ہے ایسے موقع پر تم نے خدا کی پناہ ڈھونڈنی ہے اپنے علم پر بھروسہ نہیں کرنا تم نے اپنی جرأت پر تکیہ نہیں کرنا کیونکہ تم خود اپنی ذات میں کچھ بھی نہیں ہو۔ علم و فضل اور جرأت و بہادری خدا عطا فرماتا ہے۔ انسان صفات کو اپنے ماں باپ سے لے کر تو نہیں آتا یا اپنے خاندان اور قبیلے سے تو ان چیزوں کو حاصل نہیں کرتا بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی دین اور عطا ہے اس لئے فرمایا کہ ایسے موقع پر اللہ کے سوا کسی اور چیز پر بھروسہ نہ کرنا خدا کے دامن کو مضبوطی سے پکڑے رکھنا۔ صفات باری کے علم و عرفان میں ترقی کرتے رہنا اور تسبیح و تحمید میں مشغول رہنا یہ اعلان کرتے ہوئے کہ صرف خدا تعالیٰ ہی ہر کمزوری سے پاک اور ہر خوبی سے متصف ہے۔ گویا خدا کا کوئی بندہ کبھی

یہ نہیں کہتا کہ چونکہ مجھ میں کوئی کمزوری نہیں اس لئے دشمن خدا مجھ پر غالب نہیں آ سکتا۔ وہ تو یہی کہتا ہے کہ میں تو کلی طور پر کمزور ہی کمزور اور لاشئ محض ہوں لیکن میں نے جس ہستی کا دامن پکڑا ہے وہ ہر کمزوری اور نقص سے پاک ہے اس کی یہ بنیادی صفت ہے کہ وہ ہر کمزوری اور عیب سے مبرّا ہے میں اس قدوس ہستی کا دامن پکڑتا ہوں اور اس کی صفات کا واسطہ دے کر اس کے سامنے جھکتا اور کہتا ہوں کہ اے میرے قادر وتوانا خدا! ہم میں کوئی طاقت نہیں۔ نہ کوئی علم ہے نہ کوئی جتھہ ہے اور نہ کوئی جرأت ہے۔ کچھ بھی نہیں۔ جو کچھ ہے وہ تجھ سے پایا ہے اور اس وقت تک رکھ سکتے ہیں جب تک تو چاہے اور فیصلہ فرمائے کہ ہم ان صفات سے متصف رہیں۔ ان صفات سے جنہیں تو پسند کرتا اور جن سے تو محبت کرتا ہے۔

غرض نذیر کی صفت کے مقابلہ پر تسبیح وتحمید کی ذمہ داری کا ایک پہلو یہ ہے کہ اس بات سے ڈرتے رہنا ہے کہ شیطان فخر کے جذبات نہ پیدا کر دے دوسرے یہ کہ دشمن کے مقابلہ میں اپنے زور بازو پر تکیہ نہیں کرنا اور ہمیشہ یہی سمجھتے رہنا ہے کہ ہم خدا کی مدد اور اس کے رحم کے بغیر اس کی محبت اور پیار کے بغیر قرب الٰہی کے مقام کو نہ اس دنیوی زندگی میں قائم رکھ سکتے ہیں اور نہ اس کے نتیجہ میں اُخروی زندگی میں فلاح پا سکتے ہیں۔ اس لئے ہر دو معنی میں اس کی طرف جھکنا اور اس کی تسبیح میں مشغول ہو جانا ضروری ہے۔ خدا کو ہر عیب اور کمزوری سے پاک اور مقدس ٹھہراتے ہوئے اور سب پاکیزگی اور تقدس اور تزکیہ کا سرچشمہ سمجھتے ہوئے تسبیح کرنی ہے تاکہ بجائے اس کے کہ ہم اپنے نفس پر یا اپنے اعمال پر یا اپنے افعال پر یا اپنے علم پر یا اپنے تجربہ پر یا اپنے جتھہ پر یا اپنی دلیری پر بھروسہ کریں، ہم نے اس کی محبت کو اور اس کے پیار کو پہلے سے زیادہ جذب کرنے کے لئے نیک اعمال بجا لانے میں، خیر اور نیکی کے کام کرنے میں اور بھی زیادہ سرعت دکھانی ہے۔ یہی وہ حقیقت ہے جس میں ’’یار نہاں‘‘ میں نہاں ہو جانے کا راز مضمر ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس معنی میں فرمایا ہے ؎

عدو جب بڑھ گیا شور و فغاں میں

نہاں ہم ہو گئے یار نہاں میں (درثمین صفحہ ۵۰)

(روزنامہ الفضل ربوہ ۱۹؍جون ۱۹۷۳ء صفحہ ۱ تا ۵)